❁❁❁ تقریر ❁❁❁

تقریر بابت مسیح موعودؑ
وقت 5-7 منٹ

حضرت مسیح موعودؑ کی احباب جماعت کو پند و نصائح

(ملفوظات جلد 6 ایڈیشن 1984ء)

(تقریر نمبر 1)

اللہ تعالیٰ قرآنِ شریف میں فرماتا ہے۔

اُدْعُوْنِیْٓ اَسْتَجِبْ لَکُمْ (المومن:61)

مجھے پکارو میں تمہیں جواب دوں گا۔

جسم کو مل مل کے دھونا یہ تو کچھ مشکل نہیں
دل کو جو دھوے وہی ہے پاک نزدِ کردگار

معزز سامعین! حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے بطور حَکَم و عدل اور نبیؐ، مجدّد اور مصلح کے آپؑ کے ملفوظات، ارشادات ہمارے لئے مشعلِ راہ ہیں۔ جو ملفوظات کے نام سے دس جلدوں میں اکھٹے کر دئے گئے ہیں۔ خاکسار "مشاہدات" کے تحت تقاریر کی صورت میں روزمرّہ تربیتی نصائح کو اکٹھا کر رہا ہے۔ آج 1984ء ایڈیشن کی ملفوظات کی جلد نمبر 6 میں درج پند و نصائح تقریر نمبر 1 کی صورت میں پیش ہے۔

حضرت مسیح موعودؑ انعامات کی اُمّ یعنی ماں کے حوالے سے نصیحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

"ہر ایک شئے کی ایک اُمّ ہوتی ہے۔ مَیں نے سوچا کہ جو انعامات ہیں اُن کی اُمّ کیا ہے؟ خدا تعالیٰ نے میرے دل میں ڈالا کہ اُن کی اُمّ اُدْعُوْنِیْٓ اَسْتَجِبْ لَکُمْ (المومن:61) ہے۔ کوئی انسان بدی سے بچ نہیں سکتا جب تک خدا تعالیٰ کا فضل نہ ہو۔ پس اُدْعُوْنِیْٓ اَسْتَجِبْ لَکُمْ فرما کر یہ جتلا دیا کہ عاصم وہی ہے اُسی کی طرف تم رجوع کرو۔"

(ملفوظات جلد 6 صفحہ 3)

توبہ استغفار کے حوالے سے فرمایا:

"گناہ جو انسان سے صادر ہوتا ہے اگر انسان یقین سے توبہ کرے تو خدا بخش دیتا ہے۔ پیغمبرِ خدا جو ستّر بار استغفار کرتے تھے حالانکہ ایک دفعہ کے استغفار سے گزشتہ گناہ معاف ہو سکتے تھے۔ پس اس سے ثابت ہے کہ استغفار کے یہ معنے ہیں کہ خدا تعالیٰ آئندہ ہر ایک غفلت اور گناہ کو دبائے رکھے اس کا صدور بالکل نہ ہو فَلَا تُزَكُّوْٓا اَنْفُسَكُمْ (النجم:33) سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے کہ معصوم اور محفوظ ہونا تمہارا کام نہیں ہے خدا کا ہے۔ ہر ایک نُور اور طاقت آسمان سے ہی آتی ہے۔"

(ملفوظات جلد 6 صفحہ 4)

پھر فرمایا:

" خدا تعالیٰ کا منشا ہے کہ انسان توبہ نصوح کرے اور دعا کرے کہ اس سے گناہ سرزد نہ ہو نہ آخرت میں رسوا ہو نہ دنیا میں۔
جب تک انسان سمجھ کر بات نہ کرے اور تذلّل اس میں نہ ہو تو خدا تک وہ بات نہیں پہنچتی۔ صوفیوں نے لکھا ہے کہ اگر چالیس دن گزر جاویں اور خدا کی راہ میں رونا نہ آوے تو دل سخت ہو جاتا ہے۔ تو سختیٔ قلب کا کفارہ یہی ہے کہ انسان روو ے۔ اس کے لیے محرکات ہوتے ہیں۔ انسان نظر ڈال کر دیکھے کہ اس نے کیا بنایا ہے اور اس کی عمر کا کیا حال ہے؟ دیگر گزشتگان پر نظر ڈالے پھر انسان کا دل لرزاں و ترساں ہوتا ہے۔

جو شخص دعویٰ سے کہتا ہے کہ مَیں گناہ سے بچتا ہوں وہ جھوٹا ہے۔ جہاں شیرینی ہوتی ہے وہاں چونٹیاں ضرور آتی ہیں۔ اسی طرح نفس کے تقاضے تو ساتھ لگے ہیں ان سے نجات کیا ہو سکتی ہے؟ خدا تعالیٰ کے فضل اور رحمت کا ہاتھ نہ ہو تو انسان گناہ سے نہیں بچ سکتا۔ نہ کوئی نبی، نہ ولی اور نہ ان کے لیے فخر کا مقام ہے کہ ہم سے گناہ سرزد نہیں ہوتا بلکہ وہ ہمیشہ خدا تعالیٰ کا فضل مانگتے تھے اور نبیوں کے استغفار کا مطلب یہی ہوتا ہے کہ خدا تعالیٰ کے فضل کا ہاتھ ان پر رہے ورنہ اگر انسان اپنے نفس پر چھوڑا جاوے تو وہ ہرگز معصوم اور محفوظ نہیں ہو سکتا۔ اَللّٰھُمَّ بَاعِدْ بَیْنِیْ وَبَیْنَ خَطَایَایَ اور دوسری دعائیں بھی استغفار کے اسی مطلب کو بتلاتی ہیں۔ عبودیت کا سرّ یہی ہے کہ انسان خدا کی پناہ کے نیچے اپنے آپ کو لے آوے۔ جو خدا کی پناہ نہیں چاہتا وہ مغرور اور متکبّر ہے۔“

(ملفوظات جلد 6 صفحہ 21)

سامعین! صحابہؓ جیسے ہو جاؤ۔ فرمایا:

”صحابہ کرام کے حالات کو دیکھ کر تعجّب ہوتا ہے کہ انہوں نے نہ گرمی دیکھی نہ سردی اپنی زندگی کو تباہ کر دیا۔ نہ عزّت کی پرواکی، نہ جان کی۔ بکری کی طرح ذبح ہوتے رہے۔ اس طرح کی نظیر پیش کرنی آسان نہیں ہے۔ اس جماعت کے اخلاص کا اس سے زیادہ کیا ثبوت ہے کہ جان دے کر اخلاص ثابت کیا۔ ان کے نفس بالکل دنیا سے خالی ہو گئے تھے جیسے کوئی ڈیوڑھی پر کھڑا سفر کے لیے تیار ہوتا ہے ویسے ہی وہ لوگ دنیا کو چھوڑ کر آخرت کے واسطے تیار تھے۔

لوگوں کے کاموں میں بہت حصہ دنیا کا ہوتا ہے اور اس فکر میں ہوتے ہیں کہ یہ کرو وہ کرو اور وقت مؤجل آپہنچتا ہے۔ خدا ایسا نہیں کہ کسی کو ضائع کرے۔ یہ اعتراض کہ ہمارے املاک تباہ ہو جاویں گے غلط ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ابو بکرؓ وغیرہ کے املاک ہی کیا تھے؟ ایک ایک دو دو سو یا کچھ زیادہ روپیہ کسی کے پاس ہو گا مگر اس کا اجر اُن کو یہ ملا کہ خدا تعالیٰ نے بادشاہ کر دیا اور قیصر و کسریٰ کے وارث ہو گئے۔ مگر خدا تعالیٰ کی غیرت یہ نہیں چاہتی کہ کچھ حصہ خدا کا ہو اور کچھ حصہ شیطان کا اور توحید کی حقیقت بھی یہی ہے کہ غیر از خدا کا کچھ بھی حصہ نہ ہو۔ توحید کا اختیار کرنا تو ایک مرنا ہے لیکن اصل میں مرنا ہی زندہ ہونا ہے۔

مومن جب توبہ کرتا ہے اور نفس کو پاک صاف کرتا ہے تو خوف ہوتا ہے کہ مَیں تو جہنم میں جا رہا ہوں کیونکہ تکالیف کا سامنا ہوتا ہے۔ مگر خدا تعالیٰ اُسے ہر طرح سے محفوظ رکھتا ہے۔ یہ موت مختلف طریق سے مومنوں پر وارد ہوتی ہے کسی کو لڑائی سے، کسی کو کسی طرح سے جیسے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جنگ نہ کی تو آپ کو لڑکے کی قربانی کرنی پڑی۔ یہ بات قابل افسوس ہے کہ خدا پر امید رکھے اور ایک اَور بھی حصہ دار ہو۔ قرآن میں بھی لکھا ہے کہ حصہ سے خدا راضی نہیں ہوتا بلکہ فرماتا ہے کہ حصہ داری سے جو حصہ انہوں نے خدا کا کیا ہوتا ہے وہ بھی خدا انہی کا کر دیتا ہے۔ کیونکہ غیرت احدیّت حصہ داری کو پسند نہیں کرتی۔ یہی وجہ ہے کہ انبیاء باوجود غریب، یتیم اور بے کس اور بلا اسباب ہونے کے اور پھر بموجب قانون دنیا کے بے ہنر ہونے کے آگے سے آگے قدم بڑھاتے ہیں اور یہ سب سے پہلا ثبوت خدا تعالیٰ کی خدائی کا ہے۔ اسی لیے اُن کے مخالف حیران ہو جاتے ہیں کبھی کچھ کہتے ہیں کبھی کچھ۔ جو شخص بڑا جاہل اور اُن کے تقدّس سے بے خبر ہوتا ہے وہ بھی کم از کم اُن کی دانائی کا قائل ہوتا ہے جیسے عیسائی لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیش گوئیوں کو پوری ہوتی دیکھ کر کہتے ہیں کہ وہ بہت دانا آدمی تھا۔“

(ملفوظات جلد 6 صفحہ 6-9)

پھر فرمایا:

” آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے زمانہ کو اگر دیکھا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ وہ لوگ بڑے سیدھے سادے تھے جیسے کہ ایک برتن قلعی کرا کر صاف اور ستھرا ہو جاتا ہے ایسے ہی ان لوگوں کے دل تھے جو کلام الٰہی کے انوار سے روشن اور کدورتِ نفسانی کے زنگ سے بالکل صاف تھے گویا قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰھَا (الشمس:10) کے سچے مصداق تھے۔

مجھے خوب معلوم ہے کہ ابھی تک ہماری جماعت میں سے کثرت سے ایسے لوگ بھی ہیں جو خیال کرتے ہیں کہ اگر ہماری دنیا کو کسی طرح سے کوئی جُنبش آئی تو ہم کدھر جائیں گے مگر تعجّب تو یہ ہے کہ ایک طرف تو ہمارے ہاتھ پر اقرار کرتے ہیں کہ ہم دنیا پر دین کو مقدم سمجھیں گے اور دوسری طرف دنیا و مافیہا میں ایسے پھنسے ہوئے ہیں کہ دنیا کی خاطر ہر ایک دینی نقصان برداشت کرنا گوارا کرتے ہیں۔ ذرا سا کوئی کُنبہ میں بیمار ہو جاوے یا بیل بکری ہی مر جاوے تو جھٹ بول اٹھتے ہیں کہ ہیں یہ کیا ہوا؟ ہم تو مرزا صاحب کے مرید تھے۔ ہمارے ساتھ کیوں یہ حادثہ ہوا۔ حالانکہ یہ خیال اُن کا خام ہے۔ وہ اس سچے رشتہ سے جو اللہ تعالیٰ سے باندھنا۔ چاہیے ناواقف ہیں۔ برکات الٰہی انسان پر اُس وقت نازل ہوتے ہیں جب خدا تعالیٰ سے مضبوط رشتہ باندھا جاوے۔ جیسے رشتہ داروں کو آپس میں رشتہ کا پاس ہوتا ہے ویسے ہی اللہ تعالیٰ کو اپنے بندہ

کے رشتہ کا جو اس پاک ذات کے ساتھ ہے سخت پاس ہوتا ہے۔ وہ مولا کریم اس کے لیے غیرت دکھاتا ہے اور اگر کوئی دکھ یا مصیبت اس کو پہنچتی ہے تو وہ بندہ اپنے لیے راحت جانتا ہے۔

الغرض کوئی دکھ اس رشتہ کو توڑتا نہیں اور نہ کوئی سکھ اس کو دوبالا کرتا ہے۔ ایک سچا تعلق اور حقیقی عشق عبد و معبود میں قائم ہو جاتا ہے۔ اگر ہماری جماعت میں چالیس آدمی بھی ایسے مضبوط رشتہ کے جو رنج و راحت، عُسر و یُسر میں خدا تعالیٰ کی رضا کو مقدم کریں تو ہم جان لیں کہ ہم جس مطلب کے لیے آئے تھے وہ پورا ہو چکا اور جو کچھ کرنا تھا وہ کر لیا۔

کیسی سوچنے کی بات ہے کہ صحابہ کرام کے تعلقات بھی آخر دنیا سے تھے ہی۔ جائیدادیں تھیں، مال تھا، زَر تھا۔ مگر اُن کی زندگی پر کس قدر انقلاب آیا کہ سب کے سب ایک ہی دفعہ دستبردار ہو گئے اور فیصلہ کر لیا کہ اِنَّ صَلَاتِیۡ وَنُسُکِیۡ وَمَحۡیَایَ وَمَمَاتِیۡ لِلّٰہِ رَبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ (الانعام:163) ہمارا سب کچھ اللہ ہی کے لیے ہے۔ اگر اس قسم کے لوگ ہم میں ہو جاویں تو کون سی آسمانی برکت اِس سے بزرگ تر ہے؟

بیعت کرنا صرف زبانی اقرار ہی نہیں بلکہ یہ تو اپنے آپ کو فروخت کر دینا ہے۔ خواہ ذلّت ہو نقصان ہو کچھ ہی کیوں نہ ہو کسی کی پرواہ نہ کی جاوے۔ مگر دیکھو! اب کس قدر ایسے لوگ ہیں جو اپنے اقرار کو پورا کرتے ہیں بلکہ خدا تعالیٰ کو آزمانا چاہتے ہیں۔ بس یہی سمجھ رکھا ہے کہ اب ہمیں مطلقاً کسی قسم کی تکلیف نہیں ہونی چاہیے اور ایک پُر امن زندگی بسر ہو۔ حالانکہ انبیاء اور قطبوں پر مصائب آئے اور وہ ثابت قدم رہے مگر یہ ہیں کہ ہر ایک تکلیف سے محفوظ رہنا چاہتے ہیں۔ بیعت کیا ہوئی گویا خدا تعالیٰ کو رشوت دینی ہوئی۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اَحَسِبَ النَّاسُ اَنۡ یُّتۡرَکُوۡۤا اَنۡ یَّقُوۡلُوۡۤا اٰمَنَّا وَھُمۡ لَا یُفۡتَنُوۡنَ (العنکبوت:3)۔ یعنی کیا یہ لوگ گمان کرتے ہیں کہ یہ فقط کلمہ پڑھ لینے پر ہی چھوڑ دیے جائیں گے اور ان کو ابتلاؤں میں نہیں ڈالا جاوے گا۔ پھر یہ لوگ بلاؤں سے کیسے بچ سکتے ہیں؟ ہر ایک شخص کو جو ہمارے ہاتھ پر بیعت کرتا ہے جان لینا چاہیے کہ جب تک آخرت کے سرمائے کا فکر نہ کیا جاوے کچھ نہ بنے گا اور یہ ٹھیکہ کرنا کہ مَلک الموت میرے پاس نہ پھٹکے، میرے کنبے کا نقصان نہ ہو، میرے مال کا بال بیکا نہ ہو، ٹھیک نہیں ہے۔ خود شرطِ وفا دکھلاوے اور ثابت قدمی و صدق سے مستقل رہے۔ اللہ تعالیٰ مخفی راہوں سے اس کی رعایت کرے گا اور ہر ایک قدم پر ان کا مددگار بن جاوے گا۔

انسان کو صرف پنجگانہ نماز اور روزوں وغیرہ احکام کی ظاہری بجا آوری پر ہی ناز نہیں کرنا چاہیے کہ نماز پڑھنی تھی پڑھ لی، روزے رکھنے تھے رکھ لیے، زکوٰۃ دینی تھی دے دی وغیرہ۔ نوافل ہمیشہ نیک اعمال کے متمّم و مکمل ہوتے ہیں اور یہی ترقیات کا موجب ہوتا ہے۔ **مومن کی تعریف یہ ہے** کہ خیرات و صدقہ وغیرہ جو خدا نے اُس پر فرض ٹھہرایا ہے بجالاوے اور ہر ایک کارِ خیر کرنے میں اس کو ذاتی محبت ہو اور کسی تصنّع، نمائش اور ریاء کو اس میں دخل نہ ہو۔ یہ حالت مومن کی اُس کے سچے اخلاص اور تعلّق کو ظاہر کرتی ہے اور ایک سچا اور مضبوط رشتہ اس کا اللہ تعالیٰ کے ساتھ پیدا کر دیتی ہے۔ اس وقت اللہ تعالیٰ اُس کی زبان ہو جاتا ہے جس سے وہ بولتا ہے اور اُس کے کان ہو جاتا ہے جس سے وہ سنتا ہے اور اُس کے ہاتھ ہو جاتا ہے جس سے وہ کام کرتا ہے۔ الغرض ہر ایک فعل اس کا اور ہر ایک حرکت سکون اس کا اللہ ہی حق کا ہوتا ہے۔ اس وقت جو اُس سے دشمنی کرتا ہے اور پھر فرماتا ہے کہ مَیں کسی بات میں اس قدر تردّد نہیں کرتا جس قدر کہ اس کی موت میں۔

قرآن شریف میں لکھا ہے کہ مومن اور غیر مومن میں ہمیشہ فرق رکھ دیا جاتا ہے۔ غلام کو چاہیے کہ ہر وقت رضاءِ الٰہی کو ماننے اور ہر ایک رضا کے سامنے سرِ تسلیم خم کرنے میں دریغ نہ کرے۔ کون ہے جو عبودیت سے انکار کر کے خدا کو اپنا محکوم بنانا چاہتا ہے۔

تعلقاتِ الٰہی ہمیشہ پاک بندوں سے ہوا کرتے ہیں جیسا کہ فرمایا اِبۡرٰہِیۡمَ الَّذِیۡ وَفّٰۤی (النجم:38)۔ لوگوں پر جو احسان کرے ہرگز نہ جتلاوے۔ جو ابراہیم کی صفات رکھتا ہے ابراہیم بن سکتا ہے۔ ہر ایک گناہ بخشنے کے قابل ہے مگر اللہ تعالیٰ کے سوا اور کو معبود و کارساز جاننا ایک ناقابل عفو گناہ ہے۔ اِنَّ الشِّرۡکَ لَظُلۡمٌ عَظِیۡمٌ (لقمٰن:14) یہاں **شرک** سے یہی مراد نہیں کہ پتھروں وغیرہ کی پرستش کی جاوے بلکہ یہ ایک شرک ہے کہ اسباب کی پرستش کی جاوے اور معبودات دنیا پر زور دیا جاوے۔ اِسی کا نام شرک ہے اور معاصی کی مثال تو حُقّہ کی سی ہے اس کے چھوڑ دینے سے کوئی دقّت اور مشکل کی بات نظر نہیں آتی مگر **شرک** کی مثال افیم کی ہے کہ وہ عادت ہو جاتی ہے جس کا چھوڑنا محال ہے۔ بعض کا یہ خیال بھی ہوگا کہ انقطاع الی اللہ کرکے تباہ ہو جاویں؟ مگر یہ سراسر شیطانی وسوسہ ہے۔ اللہ کی راہ میں برباد ہونا آباد ہونا ہے اُس کی راہ میں مارا جانا زندہ ہونا ہے۔ دنیا میں ایسی کم مثالیں اور نظیریں ہیں کہ جو لوگ اس کی راہ میں قتل کیے گئے، ہلاک کیے گئے اُن کے زندہ جاوید ہونے کا ثبوت ذرہ ذرہ زمین میں ملتا ہے۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کو ہی دیکھ لو کہ سب سے زیادہ اللہ کی راہ میں برباد کیا اور سب سے زیادہ دیا گیا۔ چنانچہ تاریخ اسلام میں پہلا خلیفہ حضرت ابو بکر ہی ہوا۔"

(ملفوظات جلد 6 صفحہ 15-19)

سامعین! ایک مومن اور دنیادار کی موت میں فرق کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:

"جس کا دل مُردہ ہو وہ خوشی کا مدار صرف دنیا کو رکھتا ہے مگر مومن کو خدا تعالیٰ سے بڑھ کر اور کوئی شئے پیاری نہیں ہوتی۔ جس نے یہ نہیں پہچانا کہ ایمان کیا ہے اور خدا کیا ہے۔ وہ دنیا سے کبھی آگے نکلتے ہی نہیں ہیں۔ جب تک دنیا اُن کے ساتھ ہے تب تک تو سب سے خوشی سے بولتے ہیں۔ بیوی سے بھی خندہ پیشانی سے پیش آتے ہیں مگر جس دن دنیا گئی تو سب سے ناراض ہیں منہ سوجا ہوا ہے، ہر ایک سے لڑائی ہے، گلا ہے، شکوہ ہے حتّٰی کہ خدا تعالیٰ سے بھی ناراض ہیں تو پھر خدا تعالیٰ ان سے کیسے راضی رہے وہ بھی پھر ناراض ہو جاتا ہے۔

مگر بڑی بشارت مومن کو ہے یٰۤاَیَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ۔ ارْجِعِیْۤ اِلٰی رَبِّكِ رَاضِیَةً مَّرْضِیَّةً (الفجر:28۔29)۔ اے نفس! جو کہ خدا تعالیٰ سے آرام یافتہ ہے تو اپنے رب کی طرف راضی خوشی واپس آ۔ اس خوشی میں ایک کافر ہرگز شریک نہیں ہے۔ **رَاضِیَةً** کے معنی یہ ہیں کہ وہ اپنی مرادات کوئی نہیں رکھتا کیونکہ اگر وہ دنیا سے خلاف مرادات جاوے تو پھر راضی تو نہ گیا۔ اِسی لیے اس کی تمام مراد خدا ہی خدا ہوتا ہے۔ اس کے مصداق صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی ہیں کہ آپ کو یہ بشارت ملی اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ (النصر:2) اور اَلْیَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِیْنَكُمْ (المائدہ:4) بلکہ مومن کی خلافِ مرضی تو اس کی نزع (جان کنی) بھی نہیں ہوا کرتی۔ ایک شخص کا قصّہ لکھا ہے کہ وہ دعا کیا کرتا تھا کہ مَیں طوس میں مروں لیکن ایک دفعہ وہ ایک اور مقام پر تھا کہ سخت بیمار ہوا اور کوئی امید زیست کی نہ رہی تو اس نے وصیت کی کہ اگر مَیں یہاں مر جاؤں تو مجھے یہودیوں کے قبرستان میں دفن کرنا۔ اس وقت سے وہ رو بصحت ہونا شروع ہو گیا حتّٰی کہ بالکل تندرست ہو گیا۔ لوگوں نے اس کی وصیت کی وجہ پوچھی تو کہا کہ مومن کی علامت ایک یہ بھی ہے کہ اس کی دعا قبول ہو۔ اُدْعُوْنِیْۤ اَسْتَجِبْ لَكُمْ (المومن:61) خدا تعالیٰ کا وعدہ ہے۔ میری دعا تھی کہ طوس میں مروں جب دیکھا کہ موت تو یہاں آتی ہے تو اپنے مومن ہونے پر مجھے شک ہوا۔ اِس لیے مَیں نے یہ وصیت کی کہ اہل اسلام کو دھوکا نہ دوں۔ غرضکہ رَاضِیَةً مَّرْضِیَّةً صرف مومنوں کے لیے ہے۔ دنیا میں بڑے بڑے مالداروں کی موت سخت نامرادی سے ہوتی ہے۔ دنیادار کی موت کے وقت ایک خواہش پیدا ہوتی ہے اور اُسی وقت اُسے نزع ہوتی ہے۔ یہ اس لیے ہوتا ہے کہ خدا تعالیٰ کا ارادہ ہوتا ہے کہ اس وقت بھی اسے عذاب دیوے اور اس کی حسرت کے اسباب پیدا ہو جاتے ہیں تا کہ انبیاء کی موت جو کہ رَاضِیَةً مَّرْضِیَّةً کی مصداق ہوتی ہے اس میں اور دنیادار کی موت میں ایک بیّن فرق ہو۔ دنیادار کتنی ہی کوشش کرے مگر اس کی موت کے وقت حسرت کے اسباب ضرور پیش ہو جاتے ہیں غرضکہ رَاضِیَةً مَّرْضِیَّةً کی موت مقبولین کی دولت ہے۔ اس وقت ہر ایک قسم کی حسرت دور ہو کر ان کی جان نکلتی ہے۔ راضی کا لفظ بہت عمدہ ہے اور ایک مومن کی مرادیں اصل میں دین کے لیے ہوا کرتی ہیں۔ خدا تعالیٰ کی کامیابی اور اس کے دین کی کامیابی اس کا اصل مدّعا ہوا کرتا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات بہت ہی اعلیٰ ہے جن کو اس قسم کی موت نصیب ہوئی۔"

(ملفوظات جلد 6 صفحہ 64-65)

ایمان کے ساتھ عمل ضروری ہے۔ فرمایا:

"اسلام کا دعویٰ کرنا اور میرے ہاتھ پر بیعت کرنا کوئی آسان کام نہیں۔ کیونکہ جب تک ایمان کے ساتھ عمل نہ ہو کچھ نہیں۔ منہ سے دعویٰ کرنا اور عمل سے اس کا ثبوت نہ دینا خدا تعالیٰ کے غضب کو بھڑکاتا ہے اور اس آیت کا مصداق ہو جاتا ہے یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَا لَا تَفْعَلُوْنَ۔ كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللّٰهِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَا لَا تَفْعَلُوْنَ (الصف:3-4) یعنی اے ایمان والو! تم وہ بات کیوں کہتے ہو جو تم نہیں کرتے ہو۔ یہ امر کہ تم وہ باتیں کہو جن پر تم عمل نہیں کرتے۔ خدا تعالیٰ کے نزدیک بڑے غضب کا موجب ہے۔ پس وہ انسان جس کو اسلام کا دعویٰ ہے یا جو میرے ہاتھ پر توبہ کرتا ہے اگر وہ اپنے آپ کو اس دعویٰ کے موافق نہیں بناتا اور اس کے اندر کھوٹ رہتا ہے تو وہ اللہ تعالیٰ کے بڑے غضب کے نیچے آجاتا ہے اس سے بچنا لازم ہے۔"

(ملفوظات جلد 6 صفحہ 28)

ایمان اور اعمال کے آپس کے گہرے تعلق کے حوالے سے پھر فرمایا:

"ایمان اور اعمال کی مثال قرآنِ شریف میں درختوں سے دی گئی ہے۔ ایمان کو درخت بتایا گیا ہے اور اعمال اُس کی آبپاشی کے لیے بطور نہر کے ہیں۔ جب تک اعمال سے ایمان کے پودہ کی آبپاشی نہ ہو اُس وقت تک وہ شیریں پھل حاصل نہیں ہوتے۔ بہشتی زندگی والا انسان خدا تعالیٰ کی یاد سے ہر وقت لذّت پاتا ہے اور بدبخت دوزخی زندگی

والا ہے تو وہ ہر وقت اس دنیا میں زقّوم ہی کھارہا ہے اس کی زندگی تلخ ہوتی ہے۔ مَعِیۡشَۃً ضَنۡکًا(طٰہٰ:125) بھی اِسی کا نام ہے جو قیامت کے دن زقّوم کی صورت پر متمثّل ہو جائے گی۔ غرض دونوں صورتوں میں باہم رشتے قائم ہیں۔"

(ملفوظات جلد6 صفحہ 79-80)

سامعین! احمدی کون ہے؟ چندے کی اہمیت کے حوالے سے فرمایا:

" مجھے معلوم ہوتا ہے کہ ہماری جماعت میں چندہ دینے والے بہت تھوڑے ہیں۔ آئے دن صدہا آدمی بیعت کر کے چلے جاتے ہیں لیکن دریافت کرنے پر بہت ہی کم تعداد ایسے اشخاص کی ہے جو متواتر ماہ بماہ چندا دیتے ہیں۔ جو شخص اپنی حیثیت و توفیق کے موافق اس سلسلہ کی چند پیسوں سے امداد نہیں کرتا اس سے اور کیا توقع ہو سکتی ہے؟ اور اس سلسلہ کو اس کے وجود سے کیا فائدہ؟ ایک معمولی انسان بھی خواہ کتنی ہی شکستہ حالت کا کیوں نہ ہو جب بازار جاتا ہے تو اپنی قدر کے موافق اپنے لیے اور اپنے بچوں کے لیے کچھ نہ کچھ لاتا ہے تو پھر کیا یہ سلسلہ جو اپنی عظیم الشان اغراض کے لیے اللہ تعالیٰ نے قائم کیا ہے اس لائق بھی نہیں کہ وہ اس کے لیے چند پیسے بھی قربان کر سکے؟ دنیا میں آج کل کون سا سلسلہ ہوا ہے یا ہے جو خواہ دنیاوی حیثیت سے ہے یا دینی کے بغیر مال چل سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے دنیا میں ہر ایک کام اس لیے کہ عالَمِ اسباب ہے اسباب سے ہی چلایا ہے۔ پھر کس قدر بخیل و مُمسک وہ شخص ہے جو ایسے عالی مقاصد کی کامیابی کے لیے ادنیٰ چیز مثل چند پیسے خرچ نہیں کر سکتا۔ ایک وہ زمانہ تھا کہ الٰہی دین پر لوگ اپنی جانوں کو بھیڑ بکری کی طرح نثار کرتے تھے مالوں کا تو کیا ذکر حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک سے زیادہ دفعہ اپنا کُل گھر بار نثار کیا حتّٰی کہ سوئی تک کو بھی اپنے گھر میں نہ رکھا اور ایسا ہی حضرت عمرؓ نے اپنی بساط و انشراح کے موافق اور عثمانؓ نے اپنی طاقت وحیثیت کے موافق علٰی ہٰذا القیاس عَلٰی قدرِ مراتب تمام صحابہ اپنی جانوں اور مالوں سمیت اس دینِ الٰہی پر قربان کرنے کے لیے تیار ہو گئے۔ ایک وہ ہیں کہ بیعت تو کر جاتے ہیں اور اقرار بھی کر جاتے ہیں کہ ہم دنیا پر دین کو مقدّم کریں گے مگر مدد و امداد کے موقع پر اپنی جیبوں کو دبا کر پکڑ رکھتے ہیں۔ بھلا ایسی محبت دنیا سے کوئی دینی مقصد پا سکتا ہے اور کیا ایسے لوگوں کا وجود کچھ بھی نفع رساں ہو سکتا ہے؟ ہر گز نہیں۔ ہر گز نہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے لَنۡ تَنَالُوا الۡبِرَّ حَتّٰی تُنۡفِقُوۡا مِمَّا تُحِبُّوۡنَ (ال عمران:93)۔ جب تک تم اپنی عزیز ترین اشیاء اللہ جلّ شانہ کی راہ میں خرچ نہ کرو تب تک تم نیکی کو نہیں پا سکتے۔

اس وقت ہماری جماعت قریباً تین لاکھ ہے۔ اگر ایک ایک پیسہ ہی اس سلسلہ کی امداد مثلاً لنگر و مدرسہ وغیرہ کی امداد میں دیں تو لاکھوں پیسے ہو سکتے ہیں۔ قطرہ قطرہ بہم شود دریا۔ ایک ایک بوند پانی سے دریا بن جاتا ہے۔ تو کیا ایک ایک پیسہ سے ہزار ہا روپیہ نہیں بن سکتا اور کیا سلسلہ کی ضروریات پوری نہیں ہو سکتیں؟

اگر ایک شخص چار روٹیاں کھاتا ہے آدھی بھی اگر روٹی بچالے تو بھی اس عہد سے عہدہ برآ ہو سکتا ہے۔ البتہ یہ بات بھی قرینِ قیاس ہے کہ اکثر لوگوں کو اب تک کہا بھی نہیں جاتا کہ ہمارے سلسلہ کے لیے کسی چندہ کی ضرورت ہے۔ بہت سے لوگ رو رو کر بیعت کر کے جاتے ہیں اگر ان کو کہا جاوے تو وہ ضرور چندہ دیویں۔ مگر ترغیب دینا ضروری ہے۔ بس مَیں تم میں سے ہر ایک کو جو حاضر یا غائب ہے تاکید کرتا ہوں کہ اپنے بھائیوں کو چندہ سے باخبر کرو۔ ہر ایک کمزور بھائی کو بھی چندہ میں شامل کرو۔ یہ موقع ہاتھ آنے کا نہیں۔ کیسا یہ زمانہ برکت کا ہے کہ کسی سے جانیں مانگی نہیں جاتیں اور یہ زمانہ جانوں کے دینے کا نہیں بلکہ فقط مالوں کے بقدرِ استطاعت خرچ کرنے کا ہے۔ اس لیے ہر ایک شخص تھوڑا تھوڑا لنگر اور مدرسہ اور دیگر ضروری مدّوں میں دے سکتا ہے دے۔ وہ آدمی جو تھوڑا تھوڑا چندہ دے مگر باقاعدہ اس سے بہتر ہے جو زیادہ دے مگر گاہے گاہے دے۔"

(ملفوظات جلد6 صفحہ 39-41 حاشیہ از الحکم)

تبلیغ اور چندے کا انتظام

فرمایا:

" کتابوں کو شائع کرنا چاہیے تاکہ تبلیغ ہو۔ دیکھا جاتا ہے کہ دہلی کے پرے بہت کم لوگوں کو ہمارے دعاوی کی خبر ہے۔ اس کا انتظام یوں ہونا چاہیے کہ ایک لمبا سفر کیا جاوے اور اس میں تمام کتب جو کہ بہت سا ذخیرہ پڑا ہوا ہے تقسیم کی جاویں تاکہ تبلیغ ہو۔ اللہ تعالیٰ نے ہمیں بہت سے سامان دیے ہیں ان سے فائدہ نہ اٹھانا اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا انکار ہوتا ہے۔ ہمارے لیے ریل بنائی گئی ہے جس سے مہینوں کا سفر دنوں میں ہوتا ہے اور قوم کو چاہیے کہ ہر طرح سے اس سلسلہ کی خدمت بجالاوے۔ مالی طرح پر بھی خدمت کی بجاآوری میں کوتاہی نہیں چاہیے۔ دیکھو! دنیا میں کوئی سلسلہ بغیر چندہ کے نہیں چلتا۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت موسیٰؑ اور حضرت

عیسیٰؑ سب رسولوں کے وقت چندے جمع کیے گئے۔ پس ہماری جماعت کے لوگوں کو بھی اس امر کا خیال ضروری ہے۔ اگر یہ لوگ التزام سے ایک ایک پیسہ بھی سال بھر میں دیویں تو بہت کچھ ہو سکتا ہے۔ ہاں اگر کوئی ایک پیسہ بھی نہیں دیتا تو اُسے جماعت میں رہنے کی کیا ضرورت ہے؟

اس وقت اس سلسلہ کو بہت سی امداد کی ضرورت ہے۔ انسان اگر بازار جاتا ہے تو بچے کی کھیلنے والی چیزوں پر ہی کئی کئی پیسے خرچ کر دیتا ہے۔ تو پھر یہاں اگر ایک ایک پیسہ دے دیوے تو کیا حرج ہے اور خوراک کے لیے خرچ ہوتا ہے، لباس کے لیے خرچ ہوتا ہے اور ضرورتوں پر خرچ ہوتا ہے تو کیا دین کے لیے ہی مال خرچ کرنا گراں گزرتا ہے۔ دیکھا گیا ہے کہ ان چند دنوں میں صدہا آدمیوں نے بیعت کی ہے مگر افسوس ہے کہ کسی نے ان کو کہا بھی نہیں کہ یہاں چندوں کی ضرورت ہے۔ خدمت کرنی بہت مفید ہوتی ہے۔ جس قدر کوئی خدمت کرتا ہے اسی قدر وہ راسخ الایمان ہو جاتا ہے اور جو کبھی خدمت نہیں کرتے ہمیں تو ان کے ایمان کا خطرہ ہی رہتا ہے۔ چاہیے کہ ہماری جماعت کا ہر ایک متنفّس عہد کرے کہ مَیں اتنا چندہ دیا کروں گا۔ کیونکہ جو شخص اللہ تعالیٰ کے لیے عہد کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے رزق میں برکت دیتا ہے۔ اس دفعہ تبلیغ کے لیے جو بڑا بھاری سفر کیا جاوے تو اس میں ایک رجسٹر بھی ہمراہ رکھا جاوے جہاں کوئی بیعت کرنا چاہے اس کا نام اور چندہ کا عہد درج رجسٹر کیا جائے اور ہر ایک آدمی کو چاہیے کہ وہ عہد کرے کہ مدرسہ میں اس قدر چندہ دیوے گا اور لنگر خانہ میں اس قدر۔

بہت لوگ ایسے ہیں کہ جن کو اس بات کا علم نہیں ہے کہ چندہ بھی جمع ہوتا ہے۔ ایسے لوگوں کو سمجھنا چاہیے کہ اگر تم سچا تعلق رکھتے ہو تو خدا تعالیٰ سے پکا عہد کر لو کہ اس قدر چندہ ضرور دیا کروں گا اور ناواقف لوگوں کو یہ بھی سمجھایا جاوے کہ وہ پوری تابعداری کریں۔ اگر وہ اتنا عہد بھی نہیں کر سکتے تو پھر جماعت میں شامل ہونے کا کیا فائدہ؟ نہایت درجہ کا بخیل اگر ایک کوڑی بھی روزانہ اپنے مال سے چندے کے لیے الگ کرے تو وہ بھی بہت کچھ دے سکتا ہے۔ ایک ایک قطرہ سے دریا بن جاتا ہے۔ اگر کوئی چار روٹی کھاتا ہے تو اسے چاہیے کہ ایک روٹی کی مقدار اس میں سے اس سلسلہ کے لیے بھی الگ کر رکھے اور نفس کو عادت ڈالے کہ ایسے کاموں کے لیے اسی طرح سے نکالا کرے۔

چندے کی ابتدا اس سلسلہ سے ہی نہیں ہے بلکہ مالی ضرورتوں کے وقت نبیوں کے زمانہ میں بھی چندے جمع کیے گئے تھے۔ ایک وہ زمانہ تھا کہ ذرا چندے کا اشارہ ہوا تو تمام گھر کا مال لا کر سامنے رکھ دیا۔ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حسبِ مقدور کچھ دینا چاہیے اور آپ کی منشاء تھی کہ دیکھا جاوے کہ کون کس قدر لاتا ہے۔ ابو بکرؓ نے سارا مال لا کر سامنے رکھ دیا اور حضرت عمرؓ نے نصف مال۔ آپؐ نے فرمایا کہ یہی فرق تمہارے مدارج میں ہے اور ایک آج کا زمانہ ہے کہ کوئی جانتا ہی نہیں کہ مدد دینی بھی ضروری ہے۔ حالانکہ اپنی گزران عمدہ رکھتے ہیں۔ ان کے برخلاف ہندوؤں وغیرہ کو دیکھو کہ کئی لاکھ چندہ جمع کر کے کارخانہ چلاتے ہیں اور بڑی بڑی مذہبی عمارات بناتے اور دیگر موقعوں پر صرف کرتے ہیں۔ حالانکہ یہاں تو بہت ہلکے چندے ہیں۔ پس اگر کوئی معاہدہ نہیں کرتا تو اسے خارج کرنا چاہیے وہ منافق ہے۔ اس کا دل سیاہ ہے۔ ہم یہ ہرگز نہیں کہتے کہ ماہواری روپے ہی ضرور دو، ہم تو یہ کہتے ہیں کہ معاہدہ کر کے دو جس میں کبھی فرق نہ آوے۔ صحابہ کرامؓ کو پہلے ہی سکھایا گیا تھا لَنۡ تَنَالُوا الۡبِرَّ حَتّٰی تُنۡفِقُوۡا مِمَّا تُحِبُّوۡنَ (ال عمران:93)۔ اس میں چندہ دینے اور مال صرف کرنے کی تاکید اور اشارہ ہے۔ یہ معاہدہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ معاہدہ ہوتا ہے اس کو نبھانا چاہیے۔ اس کے برخلاف کرنے میں خیانت ہوا کرتی ہے۔ کوئی کسی ادنیٰ درجہ کے نواب کی خیانت کر کے اس کے سامنے نہیں ہو سکتا تو احکم الحاکمین کی خیانت کرنے کر کے کس طرح وہ اپنا چہرہ دکھلا سکتا ہے۔ ایک آدمی سے کچھ نہیں ہوتا جمہوری امداد میں برکت ہوا کرتی ہے۔ بڑی بڑی سلطنتیں بھی آخر چندوں سے ہی چلتی ہیں فرق صرف یہ ہے کہ دنیاوی سلطنتیں زور سے ٹیکس وغیرہ لگا کر وصول کرتے ہیں اور یہاں ہم رضا اور ارادہ پر چھوڑتے ہیں۔ چندہ دینے سے ایمان میں ترقی ہوتی ہے اور یہ محبت اور اخلاص کا کام ہے۔ پس ضرور ہے کہ ہزار در ہزار آدمی جو بیعت کرتے ہیں ان کو کہا جاوے کہ اپنے نفس پر کچھ مقرر کریں اور اس میں پھر غفلت نہ ہو۔"

(ملفوظات جلد 6 صفحہ 38۔ 43 از البدر)

طاعون اور جماعت کے حوالے نصیحت یوں فرمائی:

" اس بات کو سوچنا چاہیے کہ خدا تعالیٰ کا وعدہ پورا ہونے والا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں قتل کے عذاب کا وعدہ دیا گیا تھا حالانکہ صحابہؓ بھی قتل ہوئے تھے لیکن وہی قتل کفار کے لیے عذاب کا حکم رکھتا تھا اور مسلمانوں کے لیے شہادت کا۔ عذاب کا معیار یہی ہے کہ انسان دیکھے کہ کون سا فریق زیادہ تباہ ہو رہا ہے آیا موافق یا مخالف۔ بس جو زیادہ تباہ ہوتا ہو ان کے لیے عذاب ہے۔ اسی طریق سے آج کل مقابلہ کرنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ نے طاعون کو عذاب کے طور پر بھیجا ہے۔ اس میں دیکھنے والی بات یہ ہے کہ آیا ہماری جماعت کے لوگ زیادہ مرتے ہیں یا مخالف۔ پھر خود ہی معلوم ہو جائے گا کہ اس عذاب نے کن کو نیست و نابود کر دیا۔ اگر ہماری جماعت کے بھی بعض فوت ہو جاتے ہیں تو اس میں حرج نہیں ہے کیونکہ صحابہؓ بھی جنگوں میں قتل ہوتے ہی تھے۔ ہاں البتہ ایسے جن سے شماتتِ اَعداء ہو سکے بچائے جائیں گے۔ جب

بدر اور احد کی لڑائیاں ہوتی تھیں تو کوئی سمجھتا تھا کہ امر خارق کیا ہے؟ کبھی ان کو فتح ہوتی تو کبھی صحابہؓ کو۔ تاہم بعض لوگ ایسے ہوتے ہیں جن کو خدا تعالیٰ اعجازی طور پر مرنے سے بچالیتا ہے۔ دیکھو! ابو بکرؓ و عمرؓ کو لڑائیوں سے میں بچالیا اس کا نام اعجاز ہوتا ہے ورنہ موت تو ہر ایک کے لیے ہے۔“

(ملفوظات جلد 6 صفحہ 43-44)

اللہ تعالیٰ ہمیں اِن نصائح پر عمل کرنے کی توفیق دیتا رہے۔ آمین

(کمپوزڈ: عائشہ چوہدری۔ جرمنی)

✡✡✡✡